یکم اکتوبر ۱۹۷۳ء

ہفتہ وار

# ہماری زبان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۲ ۹
فون نمبر ۲۹
ایڈیٹر
آل احمد سرور
اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲
قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی ۲۰ پیسے

جلد ۳۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ

آل احمد سرور

## بنے بھائی

(۲)

جب پاکستان بنا تو کمیونسٹ پارٹی نے سجاد ظہیر کو پاکستان میں وہاں کی شاخ کی تنظیم کے لئے بھیج دیا۔ وہاں وہ پارٹی کے جنرل سکریٹری تھے مگر بہت جلد یہ پارٹی غیر قانونی قرار دے دی گئی اور سجاد ظہیر زیر زمین ہو گئے۔ دسمبر ۴۹ء میں لکھنؤ میں جو ترقی پسند ادیبوں کی کانفرنس ہوئی تھی اُس میں شرکت کے لئے سجاد ظہیر لاہور سے آئے تھے۔ کچھ دن بعد وہ پھر لاہور چلے گئے مگر وہاں کی حکومت نے انھیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ان پر اور فیض احمد فیض اور کچھ فوجی افسروں پر حکومت کا تختہ الٹنے کا الزام لگایا گیا اور کئی سال تک وہ پاکستان کی جیلوں میں رہے۔ شروع میں تو پاکستان کی حکومت ان لوگوں کو سزائے موت دینا چاہتی تھی مگر بالآخر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور اس نے تمام ملزموں کو رہا کر دیا۔ اس زمانے کی یادگار فیض کی زنداں نامے کی نظمیں اور غزلیں ہیں اور سجاد ظہیر کی وہ کتاب جو بعد میں انجمن ترقی اردو ہند سے ذکرِ حافظ کے نام سے شائع ہوئی۔ جیل سے سجاد ظہیر اپنے خطوں میں کبھی کبھار فیض کی تازہ نظم بھی بھیج دیا کرتے تھے، جو فوراً ہندوستان کے اخباروں اور ادبی رسالوں میں شائع ہو جاتی تھی۔ اُن کے خطوں میں بھی بجائے اپنی بپتا کے زیادہ تر ادبی مسائل پر تبصرے ہوتے تھے اور وہ برابر ہندوستان کے ادبی رسائل پڑھنے کے لئے منگواتے رہتے تھے۔

اس عرصے میں بھیونڈی کی کانفرنس کے بعد کمیونسٹ پارٹی کی لائن میں تبدیلی ہو گئی تھی اور پی۔ سی۔ جوشی کے عہد کی عام اعتدال پسندی کے بجائے انقلابی ادب پر زور دیا جانے لگا تھا۔ تلنگانے میں انقلاب لانے کی جدوجہد شروع ہو گئی تھی اور اس کا اثر ادب پر بھی پڑا تھا یعنی جذبی اور اختر الایمان کے یہاں جو قنوطیت کی لہر تھی اس پر اعتراضات شروع ہو گئے تھے اور احمد عباس کی ترقی پسندی پر سید محمد مہدی نے بہت سخت حملے کئے تھے۔ میں اور احتشام حسین اپنے طور پر اس انتہا پسندی کے خلاف ترقی پسند ادیبوں کے جلسوں میں آواز بلند کرتے رہتے تھے۔ سجاد ظہیر اگرچہ پاکستان میں قید تھے مگر ان کے

خطوں سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ ادب میں انتہا پسندی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

جب سجاد ظہیر رہا ہوئے تو سیدھے لکھنؤ آئے۔ پنڈت جواہر لال نہرو سیاسی اختلاف کے باوجود پرانے ساتھیوں کا برابر خیال کرتے تھے۔ اشرف اور سجاد ظہیر دونوں کو دوبارہ ہندوستانی شہریت پنڈت جی ہی نے دلوائی۔ اشرف تو کشمیر چلے گئے اور وہاں کشمیر کی تاریخ لکھنے کے کام پر مامور ہوگئے۔ سجاد ظہیر نے کسی ملازمت کی کبھی خواہش نہیں کی۔ وہ ادبی اور تہذیبی محاذ پر ہی کام کرتے رہے۔ لکھنؤ میں چند سال قیام کے بعد وہ حیات کی ادارت کے لئے دلی آگئے۔ انھوں نے ترقی پسند تحریک کی داستان روشنائی کے نام سے قلم بند کی جس میں تحریک کی ابتدا کے واقعات و حالات بڑے شگفتہ اور دل نشیں انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں پریم چند، مولوی عبدالحق، رشید جہاں، نیاز فتح پوری، محمود الظفر، میاں افتخار الدین، تاثیر، فیض اور دوسری ادبی اور سیاسی شخصیتوں کا بڑا پر لطف تذکرہ ہے۔

دلی آنے کے بعد سجاد ظہیر کا زیادہ وقت حیات کے لئے اداریے اور مضامین لکھنے اور افرو ایشیائی ادیبوں کی تنظیم مضبوط کرنے میں گزرا۔ ادھر کئی سال سے اُن کا خاصا وقت ہندوستان سے باہر گزرتا تھا۔ ترقی پسند ادیبوں کی تنظیم بہت کمزور ہوچکی تھی۔ اُسے چست بنانے کے لئے انھوں نے دسمبر ۱۹۷۲ء میں دلی میں ایک کانفرنس بھی کی۔ اُس وقت بہت سے ترقی پسندوں کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ اب ترقی پسند تحریک اپنا تاریخی رول ادا کر چکی ہے اس لئے اس کی الگ تنظیم کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اردو کے سارے ادیبوں کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس کے ساتھ بائیں بازو کے کچھ ادیب جو کمیونسٹ پارٹی (مارکسٹ) سے زیادہ قریب تھے یہ محسوس کرتے تھے کہ ترقی پسندوں کا حکومت سے قریب بڑھتا جارہا ہے اور وہ ESTABLISHMENT کا جزو ہوتے جارہے ہیں۔ سجاد ظہیر نے دونوں طرف کے انتہا پسندوں کی مخالفت کی اور تنظیم کو وسیع بنیادوں پر چلانے پر برابر زور دیتے رہے۔

انجمن ترقی اردو ہند کے کاموں میں سجاد ظہیر شروع سے شریک رہے۔ وہ اس کی مجلس عام اور ادبی کمیٹی دونوں کے ممبر تو پہلے سے تھے، حال میں وہ مجلس عاملہ کے بھی ممبر چن لئے گئے تھے۔ گذشتہ مئی میں اُن کے سپرد پنجاب اور ہریانے میں انجمن کی ریاستی شاخ کی نئی تنظیم اور ہماچل میں ایک نئی شاخ قائم کرنے کا کام کیا گیا تھا۔ انھوں نے پنجاب کے بعض کارکنوں سے گفتگو بھی کی تھی اور مجھے لکھا تھا کہ وہ ایک مہینے کے لئے لندن جارہے ہیں۔ واپسی پر یہ کام کردیں گے مگر لندن میں اُن کا قیام کچھ بڑھ گیا۔ پھر وہاں سے کچھ دن کے لئے ماسکو بھی گئے۔ شروع ستمبر میں وہ افرو ایشیائی ادیبوں کی کانفرنس میں شرکت کے لئے الما آتا گئے۔ کانفرنس کے دوران میں اُن پر دل کا دورہ پڑا جس سے جانبر نہ ہوسکے۔

سجاد ظہیر کے ادبی مسلک سے اختلاف ہوسکتا ہے۔ مجھے بھی اُن سے بعض باتوں میں اختلاف تھا جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر ان کے خلوص، ان کی دلنوازی، اُن کی ادبی اور سیاسی اور تہذیبی خدمات، ان کی دلکش اور دلنواز شخصیت کے سبھی معترف تھے۔ اُن کی سب سے بڑی خصوصیت اُن کی استقامت اور اس میں ایک لطافت تھی۔ اُن کی موت سے بہر حال ہماری ادبی اور تہذیبی زندگی میں ایک خلا ہوگیا ہے جو آسانی سے پُر نہ ہوسکے گا۔ انگارے میں ان کے افسانے، لندن کی ایک رات، روشنائی اور ذکر حافظ اور ہندی اردو ہندوستانی پر اُن کا کتابچہ ادب میں ترقی پسند نقطۂ نظر اور ترقی پسند تحریک کو سمجھنے اور پرکھنے کے لئے ناگزیر ہیں۔ اُن کے ادبی قد کا صحیح اندازہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہوسکے گا، مگر اُن کی ادبی خدمات کا اعتراف بہر حال ہر زمانے میں کیا جائے گا۔

---

آل احمد سرور

# اردو کو بعض ریاستوں میں سرکاری زبان کا درجہ دینا کیوں ضروری ہے ؟

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہندوستان کا اصول کیا ہے؟ یہاں صرف لسانی اصول کی وضاحت ضروری ہے۔ تمام زبانیں برابر ہیں۔ جو بڑی زبانیں ہیں وہ سب قومی زبانیں ہیں۔ لسانی اقلیتوں کے بچوں کی ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبان میں دینے کے لئے پوری کوشش کرنا ہر ریاست کا فرض ہے۔ دستور کی دفعہ (الف) ۳۵۰۔ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی ساتویں رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اترپردیش میں جس شرح سے ابتدائی منزل پر تعلیم پانے والوں کی تعداد بڑھی ہے اس کا عکس اقلیتی زبانوں کے بچوں کی تعداد میں نظر نہیں آتا۔ صاف الفاظ میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ۹۰ لاکھ کی آبادی کے مشکل سے چار یا پانچ لاکھ بچے اردو کے ذریعہ ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں حالانکہ یہ تعداد پندرہ بیس لاکھ کے درمیان ہونی چاہیے تھی۔ اس صورت حال کی ذمہ داری کس پر ہے؟ ریاستی حکومت پر، مرکزی حکومت پر، سرکاری افسروں پر، برسر اقتدار پارٹی پر یا خود اردو والوں پر جو شاید تعلیم سے بہرہ ور ہونا ہی نہیں چاہتے۔

تعلیم کا اصول یہ ہے کہ بچے کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم اس کی مادری زبان میں ہونا چاہئے۔ اس اصول کو مسلم یا ماہر نفسیات اور عالم زبان بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اترپردیش کی ریاست میں لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹ کے مطابق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر نگرانی تین اسکولوں کو چھوڑ کر ایک بھی اسکول ایسا نہیں جس میں ذریعۂ تعلیم اردو ہو۔ کئی وزیر اعظم سہولتوں کا اعلان کرتے رہے، کئی وزارتیں یقین دہانیاں کرتی رہیں پلیٹ فارم سے اردو کی قومی حقیقت کا بار بار اعتراف ہوتا رہا، مگر ابتدائی تعلیم اردو میں دینے کا تسلی بخش انتظام اب تک نہ ہو سکا۔ ثانوی تعلیم کی منزل پر اترپردیش میں سہ لسانی فارمولے میں اردو کی پوزیشن مضبوط کرنے کا حال میں اعلان ہوا ہے مگر ثانوی تعلیم کی منزل پر اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے مسئلے پر آج بھی اترپردیش میں خاموشی ہے جب کہ آندھرا، مہاراشٹر، میسور، مغربی بنگال، گجرات، تامل ناڈو میں ہر قسم کی سہولت ہے اور وہاں خاصی بڑی تعداد میں اردو کے ثانوی اسکول ہیں، بلکہ آندھرا میں تو انٹر کالج بھی ہیں اور ڈگری کالج بھی۔ مگر اترپردیش میں خصوصاً اور ہندی ریاستوں میں عموماً ہنوز روز اول ہے۔ دہلی میں تو پٹھان کی دعوت کا نقشہ ہے۔ یعنی اسکول ہے تو کتابیں نہیں، کتابیں ہیں تو استاد نہیں، استاد ہے تو اس کے لئے ٹائم ٹیبل میں گنجائش نہیں۔ سہ لسانی فارمولے پر عمل میں ایک ستم ظریفی یہ ہے کہ مادری زبان کو اس کا جائز مقام نہیں دیا گیا۔ اترپردیش کی حکومت آٹھویں شیڈول میں درج تمام زبانوں کی تعلیم تیسری زبان کی حیثیت سے کاغذ پر دیتی ہے، عملاً اس کے معنی یہ ہیں کہ عام طور پر سنسکرت پڑھائی جائے اور دستور رکارڈ کے لیے کہیں کہیں اردو کا بھی انتظام ہو جائے یعنی

خود اپنے قتل پر راضی نہ ہوں جو دیوانے
ستم کے ساتھ کچھ افسونِ دلبری بھی رہے

جب لسانی اقلیتوں کے کمشنر کے بار بار توجہ دلانے پر نہ ریاستی حکومتوں کے کان پر جوں رینگتی ہے نہ مرکزی حکومت اپنا فرض پہچانتی ہے۔ جب ساری یقین دہانیاں بے نتیجہ ثابت ہو چکی ہیں جب دفتری نظام اوپر کے احکام کو ٹھاٹھ سے نظر انداز کر سکتا ہے جب ایک پارٹی کی حکومت دوسری پارٹی کی حکومت کے فیصلے کو آسانی سے بدل سکتی ہے، جب اردو دوستوں کی قومی اور آئینی جدوجہد کو علیحدگی پسندی قرار دے کر جن سنگھ اور اس کے ہم خیال فسادات تک کرا سکتے ہیں، جب یشپال اور امرت لال ناگر جیسے روشن خیال اور ترقی پسند اردو کے حقوق کی تحریک میں وہ ذہن سونگھ لیتے ہیں جس نے پاکستان بنوایا جب اردو دوست دیکھ رہے ہیں کہ ایک پوری نسل مرکزی حکومت کی غفلت اور ہندی ریاستوں کی کوتاہی

کی دانستہ تنگ نظری اور اردو کے حقوق سے چشم پوشی کی وجہ سے اپنے آپ کو گونگا اور اپنی شخصیت اور سیرت کو یک رُخا پا رہی ہے، تو اس کے لئے سوائے اس کے کیا چارہ ہے کہ وہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کی دہائی دے جس کی رو سے صدر کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اگر مطمئن ہے کہ کسی ریاست کی معتدبہ یا معقول (SUBSTANTIAL) آبادی یہ چاہتی ہے کہ جو زبان وہ بولتی ہے اسے سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جائے تو وہ یہ ہدایت دے سکتا ہے کہ اس زبان کو بھی پوری ریاست میں یا اس کے کسی حصے میں ان اغراض کے لئے جن کی وہ صراحت کرے گا، سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے گا۔

واضح رہے کہ اس دفعہ میں صرف دو شرطیں ہیں ایک معتدبہ آبادی کی ہے دوسرے صدر کے اطمینان کی کہ اس معتدبہ آبادی کی خواہش ہے کہ اس کی زبان کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ اترپردیش کی ۹۰ لاکھ آبادی اگر معتدبہ نہیں ہے تو معتدبہ کے معنی شاید بدل گئے ہیں اور جہاں تک ان کی خواہش کا سوال ہے، دستخطی مہم سے لے کر آج تک اس آبادی کی خواہش روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

اس سلسلے میں بار لوگ ریاستوں کی تنظیم نو کے کمیشن کا حوالہ ضرور دیتے ہیں جس کی رو سے جب تک کسی ریاست کی تیس فی صدی آبادی کسی دوسری زبان کی بولنے والی نہ ہو، اس وقت تک اسے دولسانی (BILINGUAL) درجہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ دستور کی دفعہ ۳۴۵ اور دفعہ ۳۴۷ میں ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ پھر ہمارا مطالبہ دوسری سرکاری زبان کا نہیں، اردو کو بھی سرکاری زبان تسلیم کئے جانے کا ہے۔ دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ یوں تو سب زبانیں برابر ہیں لیکن اردو کو بھی سرکاری زبان تسلیم کرنے کا مثلاً یہ مطلب نہیں کہ ریاست کے ہر شہری کے لئے اس کا جاننا لازمی ہوگا جتنے ہندی کے لئے استاد رکھے جائیں گے اتنے ہی اردو کے استاد ہوں گے یا جتنی تعداد میں ہندی گزٹ چھپے گا اتنی ہی تعداد میں اردو گزٹ چھپے گا۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ریاست میں اردو کے ذریعہ ابتدائی اور ثانوی تعلیم اردو کی لسانی اقلیت کے بچے حاصل کر سکیں گے اور اعلیٰ تعلیم میں آئینی سہولتیں ملیں گی۔ ہر سرکاری دفتر میں اردو میں درخواست لی جا سکے گی اور اردو میں اس کا جواب دیا جا سکے گا۔ ہر سرکاری دفتر میں کم سے کم ایک سرکاری کارکن اردو ضرور جانتا ہوگا۔ ہر اعلان، قانون، قاعدہ، نوٹس اردو میں بھی چھپے گا۔ سڑکوں پر نشانات اردو میں بھی ہوں گے۔ ریاست کی قانون ساز اسمبلی میں اردو میں تقریر ہو سکے گی اور اس کا متن اردو میں ریکارڈ ہو سکے گا۔ ضلع اور تحصیل کے افسروں کے لئے چونکہ اردو جاننا بھی ضروری ہوگا اس لئے ان کو اردو کا کوئی مناسب امتحان ملازمت کے دوران پاس کرنا ہوگا۔ پھر ہر ریاست میں اردو کو بھی سرکاری زبان تسلیم کرنے کا سوال نہیں ہے جہاں تیس لاکھ سے زیادہ آبادی ہے وہاں تسلیم کرنا چاہئے ہاں دلی میں اس لئے کہ دلی اردو کا گھر ہے اور نیک کام گھر سے شروع ہوتا ہے۔

ہمارے کچھ مہربان یہ کہتے ہیں کہ جو سہولتیں آپ چاہتے ہیں وہ سب مل جائیں گی، صرف اردو کو سرکاری زبان تسلیم کرانے پر اصرار نہ کیجئے۔ آخر نام میں کیا دھرا ہے، کام سے غرض ہونی چاہئے۔ آپ کو آم کھانے سے مطلب ہے کہ پیڑ گننے سے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمیں نام اور کام، آم اور پیڑ دونوں سے مطلب ہے اور ہمارا تجربہ یہ ہے کہ کتنی ہی نیک نیتی ہو، کتنی ہی ہمدردی ہو، موجودہ دفتر شاہی نظام میں جب تک قانونی طور پر اردو کا تحفظ نہیں ہو جاتا یعنی اسے سرکاری زبان تسلیم نہیں کر لیا جاتا اس وقت تک دراصل یہ سہولتیں جن کا برابر اعادہ کیا جاتا رہا ہے نہ صرف عمل کی دنیا میں مل نہیں پائیں گی بلکہ کم ہوتی جائیں گی۔ بعض زمانہ سمجھتے تھے کہ پچیس سال گزر جانے پر اردو والوں کا مطالبہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ خیر اردو والوں کا مطالبہ تو بدستور ہے اس لئے کہ ان کے حقوق کی پامالی بدستور ہے۔ ہاں ہندوستانی جمہوریت اور سیکولرازم کی آزمائش جاری ہے اور ان سیاسی رہنماؤں کی بھی جو اردو سے ہمدردی کرتے رہتے ہیں۔ مگر اردو کی بقا اور ترقی کے لئے جو راستہ اختیار کرنا چاہئے اسے اختیار کرتے ڈرتے ہیں۔ ایک صاحب نے اپنی بہو کو

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

# جامعہ اردو علی گڑھ کے کنووکیشن کی

## مختصر روداد

جامعہ اردو علی گڑھ کا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد زیر صدارت جناب ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب امیر جامعہ و وزیر صحت مہاراشٹر گورنمنٹ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۳ء کو کشمیر ہال میں منعقد ہوا۔ جناب پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب نے جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

علی گڑھ سے جو طویل غیر منقطع اور با مقصد وابستگی اور دارفتگی رہی ہے شاید یہ اسی کا فیضان ہے کہ میں اس کو ۱۸۵۷ء کے سانحۂ عظیم کی سب سے معتبر مبارک اور محکم تلافی سمجھنے لگا ہوں۔ اردو کو علی گڑھ سے علٰحدہ نہ رکھتا ہوں اور نہ چاہتا ہوں۔ دونوں میں ایک واضح تاریخی، تہذیبی اور جذباتی رابطہ محسوس کرتا ہوں جن کو مسخ کر دینے یا مٹا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے کیسی تکلیف دہ یہ صورت حال ہے کہ ہم اپنی جن چیزوں کو سب سے عزیز و محترم جانتے اور مانتے آئے ہیں وہی دوسروں کی بدگمانی اور بیزاری کا باعث ہیں۔

جامعہ اردو کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر صاحب موصوف نے فرمایا کہ نیک شگون اور اظہار شادمانی دونوں کے پیش نظر آج کی تقریب میں جامعہ اردو کی مختصر کا ئنات لیکن گرانقدر خدمات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں اس یقین کے ساتھ کہ آپ بھی کریں گے۔ کم و بیش ۲۵ سال تک اس سے وابستہ رہ کر اگر اس کے لئے کلمات خیر بار بار اور بے اختیار زبان پر آتے ہیں تو اس کی معذرت پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ جامعہ اردو ۱۹۳۹ء میں آگرہ میں قائم ہوئی اور ۱۹۴۰ء میں علی گڑھ منتقل ہوئی۔

یہ زمانہ بڑی یاس و ہراس کا تھا کوئی نہیں جانتا تھا کب کیا پیش آجائے گا اردو کے بڑے بڑے ایوان گرنے اور شبستان بے چراغ ہونے لگے تھے۔ لیکن اس کا علی گڑھ آجانا بہت کامیاب رہا۔ یونیورسٹی کے اساتذہ اور اصحاب کرم اس کی دست گیری کے لئے مل گئے۔ اس سے جامعہ کی ساکھ قائم ہوئی اور اس کی شہرت وسیع تر اور محکم ہوتی گئی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے ابتدائی کام میں اس کے مراکز کی تعداد دس اور امیدواران کی ۱۳۲ تھی۔ آج مراکز کی تعداد کشمیر سے مورنگس تک ۲۸۳ اور امیدواروں کی دس ہزار سے اوپر ہے۔ ہر سید بکڈپو کی ابتداء ۴۰۰ روپیہ سے کی گئی تھی آج اثاثہ ۲۵ ہزار سے اوپر کا ہے۔ جامعہ کی اپنی کوئی زمین اور عمارت نہ تھی۔ اس نے اپنے شرکاء امتحان اور ممتحن صاحبان سے "یک خس بہر آشیاں" کی درخواست کر کے ساٹھ ہزار روپیہ اکٹھا کئے اس سے اراضی خریدی گئی اور عمارت کا پہلا حصہ تیار ہوا جموں و کشمیر کے چیف منسٹر بخشی غلام محمد مرحوم کے ۵۵ ہزار روپیہ کے عطیہ سے بالائی منزل "کاشمیر ہال" تعمیر ہوا جامعہ کے امتحانات کو یونیورسٹیوں اور سکنڈری ایجوکیشن بورڈوں نے تسلیم کیا ہے سال رواں میں اس کی آمدنی کا بجٹ ایک لاکھ باسٹھ ہزار ساٹھ اور اخراجات کا ایک لاکھ چنالیس ہزار چار سو چون روپے ہے۔ جامعہ کی بیرونی آمدنی کوئی نہیں ہے یہ قطعاً اور کلیتہً خود کفالتی ہے۔ آمدنی کا وسیلہ صرف امیدواروں سے امتحانات کی فیس ہے۔ جامعہ اردو نے گجرال کمیٹی کی خدمت میں جو یادداشت پیش کی ہے اس میں زیر نظر تعمیری منصوبوں کے لئے پانچ لاکھ روپے کے عطیہ کی درخواست کی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ "تماشائے اہل کرم" دیکھنے کے لئے ہم کو آپ کو فقیروں کا بھیس بدلنا پڑے گا۔

پروفیسر رشید احمد صاحب نے فرمایا کہ اردو وہ تنہا زبان ہے جس نے تمام علاقائی موانع سے باہر اور بے نیاز ہو کر تاریخ میں پہلی بار ہندوستان کے لسانی اتحاد، جغرافیائی وحدت اور بیرون ملکی رشتہ سے آشنا کیا۔ یہ اس کے جمہوری نژاد ہونے کا فیضان ہے کہ آج ان موانع اور محرومیوں کے باوجود جو اس پر تقریباً چوتھائی صدی سے عائد ہیں وہ صرف اپنی خدمات اور خوبیوں کی بناء پر ہر طرف مقبول و محترم ہے۔ وہ ایک طور پر بیرون ہندوستان کی متعدد زبان اور تہذیبوں کے درمیان رابطہ اور خیر سگالی کی

زبان ہے۔ یہ امتیاز ہندوستان کی کسی رائج الوقت زبان کو حاصل نہیں ہے۔

اردو کی تائید توصیف یا تعزیت میں سیاست کے سقراط یا سکندر جو کلمات ارشاد فرماتے رہتے ہیں وہ سر آنکھوں پر لیکن اس طفل تسلی یا تضیع اوقات کا کوئی فائدہ نہیں جب تک اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت ایسی ریاستوں میں نہیں دی جاتی جہاں اردو سے کام لینے والوں کی کثیر اور قابل لحاظ تعداد پائی جاتی ہے۔ اس کے بغیر اردو نہ محفوظ ہے نہ ترقی کر سکتی ہے نہ ان لوگوں کو فائدہ پہونچا سکتی ہے جو اس سے فائدہ اٹھانے کے پورے طور سے مستحق ہیں۔ اس کے بعد کے مرحلے ابتدائیہ سے لے کر اردو یونیورسٹی تک آسان ہو جائیں گے اور ہر اعتبار سے مفید ہوں گے۔ اردو کا یہ قانونی اور شہری حق ہے کہ اس کو وہ حیثیت دی جائے جس سے اس کو خاطر خواہ فائدہ اٹھانے اور پہنچانے کا موقع حاصل ہو اور یہ درجہ سرکاری بخشش سے نہیں سرکاری حیثیت آنے سے ہوگا کون نہیں جانتا کہ موجودہ ہندی کو جو سرکاری حیثیت اور سرپرستی حاصل ہے اگر وہ اس سے محروم کر دی جائے تو اس کا حال اردو سے کچھ زیادہ ہی قابل رحم ہوگا۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے بارہ میں پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ ہمارا موقف یہ ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مسلم ہے اس لئے قومی بھی ہے نہ یہ کہ قومی ہے اس لئے مسلم نہیں۔ اقلیت اکثریت کے منافی یا ضد نہیں ہوتی وہ اپنے انداز اور کردار کی پابند رہتے ہوئے بھی قومی ہوتی ہے اور رہ سکتی ہے اور اکثریت مذہبی ہوتے ہوئے بھی سیکولر اور جمہوری ہو سکتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے لڑکیوں اور ماؤں کو تاکید سے بتایا کہ بچوں کو مادری زبان سے پورے طور پر آشنا کرنے اور رکھنے اور اس طور پر اردو جیسی عظیم الشان زبان کو زندہ اور کارآمد رکھنے کی ذمہ داری تمام تر انہی پر عائد ہوتی ہے۔ بغیر ان کی تائید اور تعاون کے مادری زبان کا تصور بے معنی ہے۔

امیر جامعہ ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب نے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب کے خطبہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جامعہ اردو نے جو کام اب تک کیا ہے وہ بجائے خود اہم اور وقیع ہے مگر زمانہ تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور ہمیں اسی تیزی سے جامعہ کے کام کو آگے بڑھانا ہے ہمیں اپنے کام کا محاسبہ لے کر مزید دلچسپی سے جامعہ کی خدمت کے لئے کمربستہ ہونے کی ضرورت ہے۔ جامعہ کا جو حال ہے وہی بڑے پیمانے پر اردو کا بھی ہے۔ کل تک جو اردو کے نام سے بیزار تھے وہ آج اردو کے ہمدرد بن رہے ہیں اور اس کی بقاء اور ترقی کے لئے آگے آ رہے ہیں گجرال کمیٹی کے سامنے ہم جامعہ اردو کا میمورنڈم پیش کر چکے ہیں اور ہمارا مطالبہ ہے کہ اسے پارلیمنٹ کی طرف سے ایک یونیورسٹی کا چارٹر ملنا چاہئے۔ اس ادارہ کے قیام و ترقی میں بابائے اردو عبدالحق اور سر تیج بہادر سپرو اور ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کا بڑا ہاتھ رہا ہے موجودہ حکومت ہند اور وزیراعظم کی عین خواہش ہے کہ اردو کو اس کا جائز مقام دیا جائے اور ہماری آپ سے بھی تعاون کی درخواست ہے۔

ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب نے اردو کے ساتھ اپنی والہانہ محبت کا بڑے فخر سے اظہار کیا اور بتایا کہ اگرچہ وہ بمبئی رہتے ہیں اور مہاراشٹر میں اردو کی ترویج کے لئے حتی الامکان کوشش کر رہے ہیں ان کا جامعہ اردو سے جو رابطہ و رشتہ قائم ہوا ہے اس سے ان کی ہمت اور بڑھی ہے اور ہمیں جامعہ اردو کو ایسا روپ دینا ہے جس سے ہمارے ہندوستان کو فخر ہو۔

شیخ الجامعہ پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب نے پروفیسر رشید احمد صدیقی کا ان کے بصیرت افروز خطبہ کے لئے شکریہ ادا کیا اور ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب کی سربراہی میں جامعہ اردو میں جو تنظیم دور رہی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ان کی ہمہ گیر شخصیت کا ٹھپہ اس ادارہ پر بھی لگے گا اور امید ہے کہ جامعہ اردو کو ایک مکمل یونیورسٹی کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔

• رجسٹرار جامعہ اردو، علی گڑھ

# ترقی اردو بورڈ کی کتابیں

## شائع شدہ

۱۔ تاریخ فلسفہ سیاسیات۔ پروفیسر محمد مجیب
۲۔ تاریخ تمدن ہند۔ پروفیسر محمد مجیب
۳۔ تاریخ فلسفہ اسلام۔ مترجم۔ ڈاکٹر عابد حسین
۴۔ لسانی مطالعے۔ ڈاکٹر گیان چند
۵۔ ہمارا قدیم سماج۔ سید سخی حسن نقوی
۶۔ انقلاب ۱۸۵۷ء۔ مرتب پی۔ سی۔ جوشی
۷۔ ہندوستان میں آزادی کی تحریک۔ تہن نار اہنگل

## اسکولوں کے لئے

۸۔ جیومیٹری حصہ اوّل۔ مترجم محمد جمیل
۹۔ جیومیٹری حصہ دوم۔ مترجم تسنیم احمد
۱۰۔ حساب و الجبرا۔ حصہ اوّل۔ مترجم یاور حسین

## بچوں کے لئے

۱۱۔ جانور اور ان کے بچے۔ مترجم حفظ الکبیر
۱۲۔ سب کے باپو۔ محمد اکرام
۱۳۔ ہمارا جسم۔ سید محمد ٹونکی
۱۴۔ چراغ کا سفر۔ سلطانہ فیضی
۱۵۔ چڑیاں۔ سلطانہ فیضی
۱۶۔ گھوڑا اور خرگوش۔ ڈاکٹر ذاکر حسین

## زیر طبع (بی۔ اے۔ بی۔ ایس۔ سی / بی۔ کام کے لئے)

۱۷۔ یورپ کے عظیم سیاسی مفکرین۔ مصنف ڈاکٹر ہاشم قدوائی
۱۸۔ تاریخ تعلیم ہند۔ نور اللہ اور نائک
۱۹۔ ہندوستانی معیشت۔ الک گھوش
۲۰۔ ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں۔ کنور محمد اشرف
۲۱۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ۔ ایس۔ این۔ تر پاٹھی
۲۲۔ جدید ہندوستان میں ذات پات۔ ایم۔ این۔ سری نواس
۲۳۔ فیروز شاہ اور اس کا عہد۔ کے۔ آر۔ قانون گو
۲۴۔ حیدر علی۔ نریندر کرشنا سنہا
۲۵۔ طبیعیات کے بنیادی تصورات۔ آرتھر بائزر
۲۶۔ سکونیات اعلیٰ۔ ایس۔ ایل۔ لونی
۲۷۔ مخروطات جیومیٹری۔ گورکھ پرساد اور ایچ۔ سی۔ گپتا
۲۸۔ شماریات اور کاروبار میں ان کا استعمال۔ باڈنگ تھی
۲۹۔ تعلیم و تربیت۔ برٹرنڈ رسل
۳۰۔ افریقہ اور ایشیا۔ این۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی
۳۱۔ شہیدان آزادی (جنگ آزادی میں حصہ لینے کی تاریخ)
۳۲۔ سر سید احمد خاں۔ میر نجابت علی
۳۳۔ راجہ رام موہن رائے۔ سچیندر لال گھوش
۳۴۔ سروجنی گاندھی

## تحت اردو اوین آمدکس سے

۳۵۔ فرہنگ آصفیہ۔ چار جلدیں
۳۶۔ کلیات قلی قطب شاہ
۳۷۔ کلیات میر
۳۸۔ کلیات سودا
۳۹۔ کلیات ذوق
۴۰۔ کلیات اکبر الہ آبادی۔ ۴۱۔ قواعد عبدالحق
۴۲۔ وضع اصطلاحات۔ ۴۳۔ آئینہ بلاغت
۴۴۔ دریائے لطافت۔ ۴۵۔ گلشن بے خار
۴۶۔ مجموعہ نغز۔ ۴۷۔ خم خانۂ جاوید

## اسکولوں کے لئے

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۴۸۔ حساب الجبرا۔ | حصہ دوم۔ | ساتویں | جماعت کے لئے |
| ۴۹۔ جیومیٹری | " سوم۔ | آٹھویں | " " |
| ۵۰۔ طبیعیات | " دوم | ساتویں | " " |
| ۵۱۔ گھریلو سائنس | | آٹھویں | " " |
| ۵۲۔ " " | " اوّل | چھٹی | " " |
| ۵۳۔ " " | | ساتویں | " " |
| ۵۴۔ طبیعیات۔ | " " | چھٹی | " " |
| ۵۵۔ " " | " دوم | ساتویں | " " |
| ۵۶۔ " " | " سوم | آٹھویں | " " |
| ۵۷۔ کیمیا | " اوّل | چھٹی | " " |
| ۵۸۔ ہندوستان عہد وسطیٰ میں | | ساتویں | " " |
| ۵۹۔ سماجی علم | حصہ اوّل | چھٹی | " " |
| ۶۰۔ " " | " دوم | ساتویں | " " |
| ۶۱۔ " " | " سوم | آٹھویں | " " |

۶۲۔ ہندوستان کا معاشی اور تجارتی جغرافیہ ساتویں جماعت کے لئے۔

## مراسلات

### اردو کی ترقی کے لئے عملی سرگرمیوں کی ضرورت

بمبئی کی انجمن کافی اچھا کام کرتی ہے، اگر تقریروں اور تحریروں کے علاوہ، اور زیادہ عملی اور کاروباری (BUSINESS LIKE) ہونا چاہئے۔ اوراق پارینہ میں آیا ہے کہ شکل ایمان کا قلب اور جوہر ہے۔

(۱) میں آپ کا ہمخیال ہوں کہ آج کے ماحول میں ROMAN SCRIPT اردو کے لئے مناسب نہیں ہے، مگر میری رائے میں جنوب ہند اور وسط ہند میں اشد ضرورت ہے کہ ابتدائی تعلیم کے لئے پرائمر اور ریڈر اور ابتدائی صرف و نحو کی آسان ترین کتابیں رومن رسم الخط میں چھاپ کر آزمائش کرنی چاہئے ایک جیتی جاگتی قوم میں اختلاف رائے کا ایک اہم رتبہ ہے۔

میں نے ایک مرتبہ آپ کے ایک بڑے افسر کو یہ لکھا تھا کہ اس تجربے کے لئے میں خود پانچ سو روپیہ دینے کے لئے تیار ہوں وہ میرے عزیز دوست اور نامی شخص ہیں، انھوں نے نہ جواب دیا نہ کام کیا ہندوستان میں خط کا جواب نہ دینا ایک عام مرض ہے، جس سے اردو کا کام آگے قدم نہیں بڑھاتا۔

(۲) زبان گھر میں سیکھی جاتی ہے بمبئی میں ایسے خاندان کافی موجود ہیں جن کو اردو سے شغف ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ استاد یا استانیاں مہیا کی جائیں، میں نے خود بار ہا کوشش کی کہ انجمن کے اراکین مدد کریں، مگر نہ خط کا جواب، نہ مشکل کا احساس اردو کی انجمنوں کو چاہئے کہ اس مشکل پر توجہ دیں اور استاد یا استانیاں مہیا کریں، مگر اکثر یہی ہوتا ہے کہ نہ جواب نہ عمل۔

فلمیں ہی بمبئی میں کام کر رہی ہیں، باقی زیادہ تر تقریروں، تحریروں اور کوششوں کی بھرمار ہے ازراہ عنایت ان باتوں پر توجہ فرمائیے۔

• [illegible]

بمبئی۔

### خواجہ میر درد کے شعر کا مطلب

زور عاشق مزاج ہے کوئی
درد کو، قصۂ مختصر، دیکھا

حضرت خواجہ میر درؔد کے اس شعر کی تشریح ہماری زبان ۸ ستمبر ۷۳ء میں دیکھی جو بالکل صحیح ہے لیکن اردو میں زور کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے جیسے اچھا، عمدہ، قابو، اختیار، طاقت، توانائی، جبر اور ظلم وغیرہ۔ یہ لفظ عجیب وغریب اور انوکھے کے معنی میں بھی مستعمل ہے، ناسخ فرماتے ہیں ؎

خاک سر پہ ہے، مہر و مہ پامال
اے فلک زور انقلاب ہوا

اسی طرح عجیب وغریب اور انوکھے شخص کے لئے بھی آتا ہے ؎

مے کشی مجھ سے چھڑاتا ہے یہ زور
ساقیا زاہد بھی کوئی زور ہے

"قصہ مختصر" کے معنی قصہ کوتاہ اور اختصار کے ہیں لیکن اس کے معنی کام تمام ہونے، پاپ کٹنے اور جان چھوٹنے کے بھی ہیں۔ اس طرح حضرت درد کے اس شعر کے ایک معنی اس طرح بھی ہو سکتے ہیں

"یہ عاشق مزاج (یعنی درد) بھی عجیب وغریب انسان ہے جس نے درد (دکھ، تکلیف، مصیبت) کا ہی کام تمام کر ڈالا ہے یعنی درد کی شدت نے صبر و برداشت کی اس حد تک پہنچا دیا ہے جہاں درد میں بھی اس کو سکون و آرام ملتا ہے اور مشکل کی فراوانی نے آسانیوں کا دروازہ کھول دیا ہے۔"

رام پور • محمود نیازی

## انجمن کی خبریں

# اسکولوں میں اردو جاری کرانے کی اپیل

انجمن ترقی اردو ریاستی شاخ اتر پردیش کی نائب صدر جنابہ سلطانہ حیات صاحبہ نے ایک اخباری بیان کے ذریعہ اردو دوستوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اسکولوں میں اردو جاری کرانے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کریں اور بروقت ضرورت انجمن کی خدمات حاصل کریں۔ عام معلومات کے لئے اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ ادارہ

اسکولوں میں اردو رائج کرانے کے سلسلے میں جو خطوط انجمن ترقی اردو اتر پردیش کے دفتر لکھنؤ میں موصول ہو رہے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی یہ مسئلہ تشریح طلب ہے کہ کس طرح "اسکولی تعلیم" کو منظم کیا جائے اس کے لئے موجودہ نظام تعلیم کو سمجھنا ضروری ہے۔

جونیر بیسک اسکول میں درجہ پانچ تک تعلیم ہوتی ہے۔ اسکولوں میں اردو کی دو طرح پڑھائی ہو سکتی ہے۔ (۱) اردو بحیثیت ذریعہ تعلیم۔
(۲) اردو بحیثیت مضمون

اردو کے کارکنوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقوں میں سرکاری بیسک اسکولوں کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ وہاں ٹیچر کا تقرر ہو گیا ہے یا نہیں اگر تقرر نہیں ہوا ہے تو اسکول کے ہیڈ سے ملیں اگر ضرورت باقی رہے تو انجمن ترقی اردو کو مطلع کریں۔

چھٹی اور ساتویں اور آٹھویں کلاس میں اردو پڑھائی کے تین طریقے ہیں۔

(الف) اردو سہ لسانی فارمولے کے مطابق پڑھائی جائے یہ آسان اردو ہوگی۔ اس کی کتاب الگ ہے۔

(ب) اردو بحیثیت مضمون کے پڑھائی جائے یہ اردو کلاس کے معیار کے مطابق پڑھائی جائے گی۔

(ج) اردو بحیثیت ذریعہ تعلیم کے لی جائے درجہ آٹھ تک تقریباً سب مضامین کی کتابیں ہری یا بھلی جیسی بھی ہیں بازار میں موجود ہیں۔ پہلے تو ان اسکولوں کا تائم ٹیبل دیکھنا چاہئے کہ وہ ایسا بنایا جائے کہ جو بچے سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو لینا چاہیں وہ بآسانی لے سکیں۔ یا جو بچے بحیثیت مضمون کے لینا چاہیں وہ انگریزی کو چھوڑے بغیر اردو لے سکیں۔ دوسری غور طلب بات درجہ ۹، سات آٹھ میں اردو بحیثیت ذریعہ تعلیم کے جاری کرانے کی ہے۔ ہم حکومت سے مانگ کر رہے ہیں کہ وہ اردو کو میٹرک اور انٹر تک ذریعہ تعلیم بنا دے جس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے (۱) اردو میں میٹرک اور انٹر تک کے مضامین کی کتابیں تیار کی جائیں۔ (۲) امتحانات کے پرچے اردو میں آئیں۔ (۳) اردو کو بحیثیت ذریعہ تعلیم کے لینے کی عام اجازت ہو۔ (۴) ایسے ممتحن مقرر کئے جائیں جو خود اردو کا کوئی بڑا امتحان پاس ہوں معمولی اردو داں ہونا کافی نہ سمجھا جائے۔

جب تک ہمارے یہ مطالبات منظور نہیں ہو جاتے ہیں۔ اس وقت تک درجہ سات اور درجہ آٹھ میں اردو بحیثیت مضمون کے بچوں کو پڑھائی جائے۔

اتر پردیش میں تقریباً تین سو گورنمنٹ ہائی اسکول اور گورنمنٹ انٹر کالج ہیں۔ ان میں سے ایک سو اسی اسکولوں میں اردو ٹیچر نہیں ہیں۔ حکومت نے حال ہی میں اعلان کیا ہے کہ وہ ان اسکولوں میں اردو ٹیچروں کا انتظام کرے گی چنانچہ ان تقرریوں کا اعلان کر دیا گیا ہے اور ٹیچر رکھے جا رہے ہیں، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہر گورنمنٹ اسکول میں اردو ٹیچر پہنچا ہے یا نہیں، دوسرے یہ کہ طالب علموں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور پڑھیں۔ علاوہ بریں اتر پردیش میں ہزار امدادی ہائر سکنڈری اسکول ہیں۔ ہم نے حکومت سے درخواست کی تھی کہ ان اسکولوں میں کم از کم ایک ہزار اسکولوں میں اردو جاری کرا دی حکومت نے ان اسکولوں کے منتظمین سے دریافت کیا ہے کہ ان میں سے کس اسکول میں اردو پڑھنے والے بچے ہیں تاکہ وہاں اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے اب ہمارا کام ہے کہ ہم ان اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں سے اردو جاری کرانے کی درخواست کروائیں۔ اگر کسی اسکول میں حکومت کے احکام کی خلاف ورزی ہو رہی ہو تو طریقہ کار یہ ہونا چاہیے کہ پہلے مقامی طور پر اصلاح کی کوشش کی جائے اگر وہاں مشکل حل نہ ہو تو انجمن ترقی اردو اتر پردیش کے مرکزی دفتر کو مطلع کیا جائے۔

## اخباروں کے تراشے

# اردو والوں کو اردو کے طلبہ مہیا کرنے کا مشورہ

لکھنؤ: اترپردیش کے گورنر جناب اکبر علی خاں نے اردو کے نوجوان شاعر جناب سلیمان عباسی کی نظموں "یادوں کے گلاب" کی رسم اجراء میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کے دو بڑے لیڈر پنڈت نہرو اور مہاتما گاندھی دونوں نے ہندوستان کو جو سیکولر پالیسیاں دیں ان کی جھلک شاعر کے کلام میں نمایاں ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اردو کے لئے حالات مایوس کن رہے مگر وزیر اعظم اندرا گاندھی کی قیادت میں حالات بدلے ہیں اور اردو کو اس کے جائز حقوق نہیں ملے ہیں تو مل کر رہیں گے لیکن اردو والوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ زبان قانون اور حکومت کے تحفظ سے نہیں بلکہ اس کے بولنے والوں کے ایثار اور قربانی سے زندہ رہتی ہے۔

گورنر نے اردو ٹیچروں کے تقرر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر حکومت نے اردو ٹیچر مقرر کر دئے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی مگر یہ فرض اردو والوں کا ہے کہ وہ اردو پڑھنے والے طالب علم فراہم کریں اور یہ بات اردو والوں کو سوچنا ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے کیا کیا ہے اگر ٹیچر ہوں اور طالب علم نہ ہوں تو کوئی ذمہ دار کیا کر سکتا ہے۔ • دعوت۔ دہلی

## انجمن ترقی اردو کا موقف

قومی آواز مورخہ ۱۰ ستمبر ۷۲ء کے مقالے افتتاحیہ میں یہ درج ہے کہ انجمن ترقی اردو کا موقف یوپی کو دو زبانی صوبہ بنانا ہے یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ابھی ممبران پارلیمنٹ کا جو وفد زیر قیادت آنند نرائن ملا گورنر یوپی سے ملا تھا اس نے ضرور (رپورٹ کے مطابق) دو زبانی صوبہ کا تذکرہ کیا تھا مگر میرے خیال میں اس کے سمجھنے اور لکھنے میں تسامح ہوا۔ ملا صاحب انجمن ترقی اردو (ہند) کے صدر ہیں اور وہ اس کے موقف کے خلاف نہیں کہیں گے دراصل انجمن ترقی اردو کا مطالبہ یہ ہے کہ اردو کو اترپردیش، بہار، مدھیہ پردیش، دہلی، راجستھان اور آندھرا پردیش میں علاقائی زبان تسلیم کیا جائے اور صدر جمہوریہ ہند اپنے اختیار کو استعمال کرکے اس بارے میں آرٹیکل ۳۴۷ دستور ہند کے تحت حکم جاری کر دیں کہ اردو فلاں فلاں اغراض کے لئے ان ریاستوں میں استعمال ہوگی۔

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ نگراں کمیٹی کی رپورٹ کا انتظار کر رہی ہے اس کے آجانے کے بعد کوئی مؤثر و موزوں قدم اٹھایا جائے گا۔

• محمد عدیل عباسی
قومی آواز۔ لکھنؤ

ہماری زبان
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ منیجر

## سید سجاد ظہیر کی موت پر علی گڑھ کے ادیبوں کے تاثرات

(گذشتہ سے پیوستہ)

سجاد ظہیر کی ناگہانی وفات کی خبر سن کر دلی صدمہ پہنچا۔ وہ ایک مایہ ناز سیاسی رہنما، ایک برگزیدہ ادیب ایک تخلیقی فنکار اور ترقی پسند تحریک کے بانی تھے۔ سیاسی اور ادبی دونوں میدانوں میں وہ بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے اور علمی و تہذیبی حلقوں میں ان کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے مگر ان کی شخصیت کا سب سے زیادہ قابل قدر وصف ان کی طبعی شرافت و انسانیت اور ان کی جلنساہت تھی اشتراکی اور انقلابی تحریکوں سے وابستگی کے باوجود ان کے مزاج میں نرمی و اعتدال اور ان کی طبیعت میں لطافت و نفاست تھی جس کے سبب ان کی طرف بے اختیار دل کھنچتا تھا۔ میں نے انھیں کبھی مکدر یا غم و غصے کے عالم میں نہیں دیکھا ان کے چہرے کا دلآویز تبسم ان کی شخصیت کا ایک فطری جزو معلوم ہوتا تھا۔ نوجوان ادیبوں اور نو آموز لکھنے والوں سے خاص طور پر وہ جس محبت اور اپنائیت کے ساتھ پیش آتے تھے اور ان کی جس طرح حوصلہ افزائی کرتے تھے اس کی مثال ان کے ہم عصروں میں مشکل ہی سے ملے گی۔ اردو کے ادیب انھیں عام طور پر "سجاد ظہیر صاحب" کہنے کے بجائے "بنے بھائی" کہتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں بڑے بھائی کی تمام ادائیں تھیں۔ ادبی اور سیاسی معاملات میں بنے بھائی سے اختلاف رکھنے والے اس بات کی گواہی دیں گے کہ وہ دوسروں کی باتیں کس توجہ، دلچسپی اور ہمدردی سے سنتے تھے اور اپنے نقطۂ نظر کو کس قدر انکسار، نرمی اور دوستانہ لہجے میں پیش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے تبادلۂ خیال کرنے میں تلخی یا بے لطفی پیدا ہونے کا کبھی اندیشہ نہیں ہوتا تھا۔

گذشتہ مئی میں جب وہ انجمن ترقی اردو کی مجلس انتظامیہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے علی گڑھ تشریف لائے تو میرے غریب خانے پر بھی آنے کی زحمت کی۔ میری خیر و عافیت پوچھنے کے بعد میرے بچوں کو بلایا اور بڑی دیر تک ان سے لطف اور پیار کی باتیں کرتے رہے۔ میں دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ کس قدر عظیم ہے یہ انسان جو ہم جیسے چھوٹوں کو یہ احساس نہیں ہونے دیتا کہ ہم اس کے سامنے چھوٹے یا کم حیثیت ہیں۔ اب کہاں لوگ اس طبیعت کے۔ کیا معلوم تھا کہ ان سے یہ آخری ملاقات ہے۔

• خلیل الرحمٰن اعظمی

## سجاد ظہیر کا سوگ

سید سجاد ظہیر مرحوم کی غیر متوقع موت پر ملک بھر میں اظہار رنج و ملال کیا گیا ہے، جا بجا تعزیتی جلسے ہوئے اور مرحوم کی ترقی پسندانہ ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے بھرپور خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ جن اداروں کی طرف سے ہمیں ایسے جلسوں کی روداد یں اور قرار دادیں موصول ہوئی ہیں ہم اپنی کوتاہ دامانی کی وجہ سے ذیل میں صرف ان کے نام پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ادارہ

(۱) شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی۔ (۲) شعبۂ اردو راجستھان یونیورسٹی جے پور۔ (۳) شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی جموں۔ (۴) بزم ساز و ادب، دلی (۵) احتشام حسین میموریل سوسائٹی، الہ آباد (۶) اردو کلب اتر پردیش۔ امروہہ (۷) قدیم بزم سخن بھاگلپور (۸) ادب دوست حضرات جمشید پور (۹) ادبا رد شہر بان۔ آرہ (۱۰) بزم ادب بارسی (ایم پی) (۱۱) بزم اردو گورنمنٹ کالج گلبرگہ۔

## غم سجاد ظہیر

(فیض احمد فیض)

نہ اب ہم ساتھ سیر گل کریں گے
نہ اب مل کر سر مقتل چلیں گے

نہ اب دشتِ جنوں کی شام غمگیں
نہ گلگشتِ بتاں کی صبح رنگیں
حدیثِ دلبراں باہم کریں گے
نہ خونِ دل سے شرحِ غم کریں گے
نہ لیلائے سخن کی دوستداری
نہ غم ہائے وطن میں اشکباری
سنیں گے نغمۂ زنجیر مل کر
نہ شب بھر مل کے چھلکائیں گے ساغر
بنامِ شاہدِ نازک خیالاں
بیادِ مستئِ چشمِ غزالاں
بنامِ انبساطِ بزمِ رنداں
بیادِ کلفتِ ایامِ زنداں
صبا اور اس کا اندازِ تکلم
سحر اور اس کا آغازِ تبسم
خلا میں ایک بالہ سا جہاں ہے
یہیں تو مسندِ پیرِ مغاں ہے
سحر تک اب اسی کے نام ساقی
کرو اب ختم دورِ جامِ ساقی
بڑھاؤ شمعِ محفل بزم والو!
پیو اب ایک جامِ الوداعی
پیو اور پی کے ساغر توڑ ڈالو۔

بشکریہ حسن بیگ

(صفحہ ۸ سے آگے)

بہت دبا کر رکھا تھا۔ بہو کا اپنے گھر میں کوئی اختیار نہ تھا۔ اتفاق سے ساس کو کسی شادی میں باہر جانا پڑا ساس نے بہو کو گھر کی چابیاں سونپتے ہوئے کہا" بہو گھر تمہارے حوالے مگر کوٹھری کھٹلے کو ہاتھ نہ لگانا"!

ہندوستان بہت بڑا ملک ہے۔ اس کے چلانے والوں کے دل و دماغ بھی بڑے ہونے چاہئیں۔ بہار کو یک رنگ نہ بنانا چاہیے کثرت میں وحدت کو دیکھنا اور دکھانا ضروری ہے۔ غالب نے صحیح کہا ہے۔ ع

ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

## تبصرہ

اصغر عباس

- سماج واد کی آواز
- دلکش بدایونی
- قیمت، ڈھائی روپے

شاعری کے بارے میں طرح طرح کے نظریات ابھرتے اور ڈوبتے رہے لیکن ایک بات ہمیشہ قائم رہی کہ اچھی شاعری مقصدیت کی پابند نہیں ہوسکتی جزوی طور پر اس میں کسی مقصد کا اظہار ہوسکتا ہے لیکن اس طرح کہ شاعری کے لطیف فنی تقاضوں سے صرف نظر نہ کیا جائے۔ یہ بڑا مشکل مقام ہے اور یہاں معاملات کم ہی ٹھیک ہو پاتے ہیں۔ اسی لئے سماج واد کے قسم کے موضوعات پر عام طور پر جو شاعری ہوتی ہے وہ بے مزہ اور کبھی کبھی ناگوار ہو جاتی ہے۔

"سماج واد کی آواز" میں پندرہ سے زیادہ نظمیں ہیں جو سماج واد یا سوشلزم کے مختلف پہلوؤں پر لکھی گئی ہیں۔ شاعری سے قطع نظر اس مجموعہ میں زبان کے معائب بھی راہ پا گئے ہیں لیکن دلکش صاحب کا یہ مجموعہ نقشِ اول کی حیثیت رکھتا ہے اور انھیں شاعری ورثہ میں ملی ہے اس لئے امید کی جاتی ہے کہ مذکورہ خامیاں رفتہ رفتہ دور ہو جائیں گی۔ موصوف نے ان نظموں کو چھپوانے میں ذرا عجلت سے کام لیا ہے، یہ مجموعہ مسز اندرا گاندھی کے نام معنون کیا گیا ہے۔



مالک انجمن ترقی اردو ہند (علیگڑھ) پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علیگڑھ میں چھپوا کر دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ سے شائع کیا